Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.106, 2017 pp 117 - 128

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۶

''سنہری گدھا'' ایک قدیم لاطینی شاہکار

ظہیر عباس☆

Abstract:

Romans, though not rich as Greek, has a significant contributions to the world literature. Aeneid and Metamorphisis are outstanding and some other pieces of fiction are also renowned. Here in this article one of the master pieces of Roman literature is discussed and its literary and moral values are briefly highlighted.

Keywords: اپولیس، دیوی، دیوتا، ماری لوئی وان فرانز، میخائل باختن، اطالیہ

باکمال لاطینیوں نے جہاں بے مثال شاعری (ورجل کی اینیڈ اوراووڈ کی کایا کلپ) تخلیق کی وہیں دنیا کے دو قدیم ترین ناولوں کی تخلیق کا سہرا بھی انھی کے سر ہے۔ پہلا ناول Petronius کا Satyricon ہے۔ یہ ناول اگرچہ اپنی مکمل صورت میں دستیاب نہیں ہے لیکن جتنا کچھ ہمارے حصے میں آتا ہے وہ اتنا دلچسپ اور طاقتور ہے کہ جو حصے وقت کی گرد میں گم ہوگئے ہیں انھیں ہم اپنے تخیل سے پر کرتے چلے جاتے ہیں۔اس کی اشاعت کے حوالے سے کسی حتمی تاریخ کا تعین کرنا تو ناممکن ہے لیکن یہ ناول ۶۶ عیسوی (اسی سال ناول کا مصنف خودکشی کرتا ہے) سے کوئی دو تین سال پہلے مکمل ہوگیا تھا۔(۱) اس کے علاوہ دوسرا اہم ناول Apuleius کا The Golden Ass ہے۔ یہ ناول دوسری صدی عیسوی کی آخری دو دہائیوں میں مکمل ہوا۔(۲)

☆ لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ، لاہور

اپولیس کی پیدائش ۱۲۰عیسوی کی دوسری دہائی میں اطالیہ میں ہوئی۔اس کا باپ رومن کالونی کا ایک بڑا مجسٹریٹ تھا۔یہی وجہ ہے کی اس کی زندگی بہت آسودگی سے گزری۔(۳) فلسفہ کے شوقین اپولیس نے زندگی میں کئی سفر کیے۔طویل عرصہ تک وہ یونان میں رہا جہاں وہ لاطینی اور یونانی دونوں زبانوں میں فلسفہ پر لیکچر دیتا تھا۔اس کے علاوہ اس کا مصر کا سفر بہت اہم ہے۔دراصل یہی وہ سفر ہے جس کا اس کے ناول ''سنہری گدھا'' پر اثر کافی گہرا ہے۔(۴)

یہ ناول لاطینی معاشرے کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔مابعدالطبعیاتی، معاشرتی، مذہبی، معاشی اور مافوق الفطری، کون سا ایسا پہلو ہے جس پر فاضل مصنف کی نگاہ نہیں ٹھہری۔خود مصنف کو بھی اپنی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت پر کامل یقین ہے۔

"Give me a copper and I'll tell you a Golden story" (5)

"The Golden Ass" ایک ایسے من موجی کی کہانی ہے جسے مہم جوئی کا شوق ہے۔ناول کے آغاز میں Lucius۔جو Thessaly کے راستے پر ہے جہاں اس کے ننھال کا گھر ہے۔کا سامنا دو اجنبی (آرستومینس اور ایک اجنبی) لوگوں سے ہوتا ہے جو خود اسی راستے کے مسافر ہیں۔جو ایک ایسی جادوگرنی کا ذکر کر رہے ہیں جو کچھ بھی کر گزرنے پر قادر ہے۔

> "I tell you, Aristomenes" he answered in a lugubrious tones, my Meroe is able if she pleases, to pull down the heavens or uplift the earth; to petrity the sunning stream or dissolve the rocky mountain, to raise the spectral dead or hurl the gods from their thrones; to quench the bright stars or illuminate the darks land of shadows."(6)

یہ اور اس طرح کے اور اشارے قاری اور خود Lucius کو ذہنی طور پر تیار کر رہے ہیں کہ آئندہ کس طرح کے واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ان کے درمیان جادو اور جادو سے متعلقہ موضوعات پر بحث ہو رہی ہے۔دونوں بڑھ چڑھ کر ساحری پر گفتگو کر رہے ہیں۔یہاں ناول کا بیانیہ جادوئی معاملات کے حوالے سے بہت طاقتور ہے۔اجنبی اس طرح کے واقعات کا سرے سے انکاری جبکہ ارستومینس بضد ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے اور اثر کرتا ہے۔ہیرو ان کی باتیں غور سے سن رہا ہے۔ان ساری باتوں سے خوف زدہ ہونے کی بجائے اس کے اندر عملی طور پر جادوئی کرشمہ سازی کا سامنا کرنے کی ایک خواہش انگڑائی لیتی ہے۔شہر میں پہنچنے سے پہلے وہ ذہنی طور پر کافی حد تک تیار بھی ہو چکا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔

تھیسلی میں توقع کے عین مطابق اس کے ساتھ عجیب و غریب واقعات پیش آتے ہیں۔ ہر دوسرا کردار اسے خوفزدہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ وہ جس سے ملتا ہے وہ اسے یہی باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ سوائے اس کے کوئی اس سے مخلص نہیں ہے۔ حد تو اس وقت ہوتی ہے جب ایک رات وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رات کے پچھلے پہر شراب پی کر مدہوشی کے عالم میں گھر واپس آ رہا ہوتا ہے۔ گھر کے نزدیک آ کر اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ لوگ جو اس کے گمان میں کوئی چور اچکے ہیں اس گھر میں نقب زنی کرنے کو ہیں جہاں وہ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ انھیں للکارتے ہوئے ان پر پل پڑتا ہے۔ اپنی دانست میں وہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور خود اطمینان سے اندر جا کر سو جاتا ہے۔ صبح منہ اندھیرے ہی سپاہی اسے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ وہاں ایک بڑے مجمعے کے سامنے اس کا مقدمہ لڑا جاتا ہے۔ اب اس کی ہر دلیل کے جواب میں لوگ کھلکھلا کر قہقہے لگاتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو اجنبی علاقے میں ہو اور اس کے ہاتھوں تین قتل بھی ہو چکے ہوں یہ ساری صورت حال اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ تو اس وقت اسے سکھ کا سانس لینا نصیب ہوتا ہے جب اسے بتایا جاتا ہے کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ بکری کی کھال سے بنے ہوئے تین بڑے تھیلوں کو ڈاکو سمجھ کر ان پر حملہ آور ہو گیا تھا جو شراب ڈالنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ دراصل یہ ان کا ہنسی ٹھٹھول کا تہوار تھا جس کی بھینٹ ہمارا ہیرو چڑھ جاتا ہے۔ اس طرح کے دلچسپ اور اپولیس کی سمجھ میں نہ آنے والے معاملات ہیں جن سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ یہاں تک مرکزی کردار ایک سادہ لوح انسان کے روپ میں ہمارے سامنے ہے۔

یہاں جس گھر میں وہ رہتا ہے، وہ دراصل ایک جادوگرنی (Pamphile) کا گھر ہے جو کچھ بھی کر سکتی ہے یہاں تک کہ اپنی جون بھی تبدیل کر سکتی ہے۔ اس کا شوہر (Milo) ایک سادہ لوح اور شریف انسان ہے۔ وہ اپنی بیوی کی اس غیر معمولی صلاحیت سے بے خبر ہے۔ اس کی ملازمہ (Photis) کے ساتھ Lucius کا معاشقہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اپنی مالکہ کے کرتب گاہے بگاہے سناتی رہتی ہے۔

اب Lucius کے دل میں یہ آرزو شدت پکڑ لیتی ہے کہ کسی طرح وہ بھی جادوئی عمل کے ذریعے کوئی کارنامہ سرانجام دے۔ Photis جو اپنی مالکہ کی ہمزاد ہے، اس سے وعدہ کرتی ہے کہ کسی روز وہ ایسا کرنے میں اس کی مدد کرے گی۔ ایک دن صبح ہی صبح وہ اسے یہ خوشخبری سناتی ہے کہ مالکہ (جس کا چکر کسی Boeotian نامی شخص کے ساتھ چل رہا ہے) پرندہ بن کر کھڑکی کے راستے اڑ کر اسے ملنے جا چکی ہے۔ سو اب موقع ہے کہ اس کے کمرے میں جا کر کوئی کرتب کیا جائے۔ اس کمرے میں کئی طرح کی شیشیاں اور سفوف ہیں۔ Lucius پرندہ بننے کی خواہش کرتا ہے، لیکن اسے ڈر بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ انسانی شکل میں واپس نہ آ سکے۔ Photis اسے حوصلہ دیتی ہے کہ مالکہ نے مجھے کئی جادوئی فارمولے بتائے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ پرندے سے دوبارہ انسانی جون میں آنے کے لیے گلاب کا پھول سونگھنا پڑتا ہے۔

جب وہ کسی جانور کے روپ میں دوبارہ گھر آتی ہے تو میں ہی اسے اس کے بتائے ہوئے عمل کے ذریعے دوبارہ انسانی شکل عطا کرتی ہوں۔ Lucius اس کے کہنے پر برہنہ ہو کر ایک سفوف اپنے جسم پر ملتا ہے جس کے ملنے سے انسان پرندہ بن جاتا ہے لیکن ہائے ری قسمت، یہ وہ سفوف تھا جسے ملنے سے انسان گدھا بن جاتا ہے۔ اس کے گدھا بننے کی سرگزشت اس کی ہی زبانی سنیے:

> "I stood flapping my arms, first the left and then the right,as I had seen Pamphile do,but no little feathers appeared and they showed no sign of turning into wings.All that happened was that the hair on them grew coaser and coaser and the skin toughened into hide.Next,my fingers bunched together into a hard lump so that my hands become hooves, the same change came over my feet and I felt a long tail sprouting from the base of my spine.Then my face swelled, my mouth widened, my nostrils dilated,my lips hung flabbily down,and my ears short up long and hairy.The only consoling part of this miserable transformation was the enormous increase in the size of a certain organ of mine;because I was by this time finding it increasingly difficult to meet all Fotis's demand upon it. At last, hopelessly surveying myself all over, I was obliged to face the mortifying fact that I had been transformed not into a bird,but into a plain jackass." (7)

کچھ کرگزرنے کی اس کی خواہش تو ضرور پوری ہو چکی ہے لیکن اس لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔ وہ اسے دلاسہ دیتی ہے کہ صبح ہوتے ہی وہ اسے کسی بھی طرح دوبارہ انسانی شکل میں واپس لے آئے گی لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ اسی رات چور گھر میں آ گھستے ہیں وہ گھر کا سارا سامان اکٹھا کرتے ہیں۔ گدھے پر سامان رکھتے ہیں اور ساتھ اس گھوڑے کو بھی لے لیتے ہیں۔ جس پر کبھی گدھا (Lucius) مزے سے سفر کرتا تھا۔ یہاں سے لوشیس پر ظلم و ستم کی ایک نئی داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ گدھا بننے کے بعد پورے ناول میں اس کی جو درگت بنتی ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جگہ جگہ اس کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ایک گدھے کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ناول نگار نے آغاز سے انجام تک قاری کو کہیں بھی احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ کوئی غیر فطری کام کر رہا ہے۔ ناول کی فضا، زمانہ اور اس کا ماحول ایسا ہے کہ قاری کو

سب کچھ فطری معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی جس زمانے میں یہ ناول لکھا گیا تب ناول کی کوئی روایت موجود نہیں تھی۔ ناول کی فضا وہی لوک کہانی والی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں ان دیکھی انجانی دنیا نہیں ہے۔ صرف لوشیس کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے وہی غیر فطری معلوم ہوتا ہے وگرنہ جیتا جاگتا اطالوی معاشرہ ہے جس کا قاری سے سامنا ہوتا ہے۔ ناول کی مجموعی فضا اس مہارت سے بنائی گئی ہے کہ قاری کے پاس اس صورت حال کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

ایک گدھے کی نگاہ سے زندگی کا مشاہدہ Apuleius کے اس ناول کے ذریعے ہی ممکن ہے یعنی Lucius جو زندگی کے بارے میں بحیثیت انسان اور طرح کا وژن رکھتا ہے، جب گدھا بنتا ہے تو زندگی کو دیکھنے کا اس کا زاویۂ نظر ہی بدل جاتا ہے۔ گدھا بننے سے پہلے بھی وہ کوئی اتنا ذہین کردار نہیں ہے۔ دنیاوی معاملات میں اس سمجھ بوجھ واجبی سی ہے۔ یہی وجہ ہے ہر جگہ لوگ اسے آسانی سے بیوقوف بنا لیتے ہیں۔ ناول کا متن ہمیں بتاتا ہے کہ وہ کچھ کرنا ضرور چاہتا ہے لیکن اسے یہ نہیں پتہ کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ دراصل دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ دوسروں کے بل بوتے پر زندگی گزارنے والوں کا یہی حشر ہوتا آیا ہے۔ اب وہ گدھا کسی اور کی وجہ سے بنا ہے لیکن واپسی کا راستہ اسے خود طے کرنا ہے۔

خانگی زندگی، تجارتی معاملات، فراڈ، چوری چکاری، دھوکہ بازی، فریب، بے وفائی، آقا و غلام کی تفریق ان تمام معاملات کو Lucius (بطور ایک گدھے کے) بہت قریب سے دیکھتا ہے۔ جن جگہوں پر وہ گیا، جن انسانوں سے اس کا سابقہ رہا بحیثیت انسان کے اس کا وہاں جانا ممکن نہیں تھا۔ اپنے ہم جنسوں کے درمیان وہ پھرتا رہا لیکن ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ کسی بھی معاشرے میں غلاموں اور زر خرید ملازموں کو اگرچہ مالک اپنی نجی زندگی کی بھنک بھی نہیں پڑنے دیتے لیکن گھر میں کام کاج کرتے وقت ان کی توجہ ہمیشہ مالکوں کے معمولات پر ہی رہتی ہے۔ خانگی معاملات میں ملازموں کی رسائی بعض اوقات بہت آگے تک بھی ہو جاتی ہے۔ ان کی تمام معاملات تک رسائی ضرور ہوتی ہے لیکن ان کے ہاتھ بندھے ہی ہوتے ہیں۔۔ خود Photis بھی ایک ایسا ہی کردار ہے جو اگرچہ اس گھر میں ملازمہ ہے لیکن اس کے بغیر گھر کا نظام نہیں چل سکتا۔ اس کی مالکہ اور مالک گھریلو معاملات میں اتنے متحرک نہیں ہیں جتنی یہ ملازمہ ہے۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال، پیغام پہنچانا اور لانا، کھانا پکانا، مہمانوں کی دیکھ بھال کرنا، مالکہ کو کھانے کی میز پر لانا اور بستر تک پہنچانا، یہاں تک مالک کے کاروباری معاملات سب سے وہ واقف ہے۔ ۸۰)

یہ معاشرے کا وہ طبقہ ہے جو اشرافیہ کے معاملات میں برابری کی سطح پر تو حصہ نہیں لیتا لیکن اس کی آنکھوں سے کچھ بھی اوجھل نہیں ہوتا۔ یہ معاشرے کا وہ ناگزیر کردار ہے جو زندگی کا مشاہدہ بہت باریکی اور خاموشی سے کرتا ہے اور بعض اوقات بہت نامحسوس طریقے سے چیزوں پر اثر انداز بھی ہو جاتا ہے۔

"The servent is the eternal"third man"in the private life of the lords.Servents are the most privileged witnesses to private life.People are little embarrassed in a srevent's presence as they are in the presence of an ass,and at the same time the servent is called upon to participate in all intimate aspects of personal life."(9)

تو یہاں اپولیس وسیع معنوں میں گدھے کے روپ میں وہی "Third person" ہے جو اب لوگوں کے درمیان رہ کران کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔بطور انسان کے تو لوگوں کے لیے لاموجود ہے لیکن گدھے کے روپ میں کچھ زیادہ ہی موجود ہے۔وہ لوگوں کے نجی معاملات کو بہت قریب سے دیکھتا ہے۔خود تو نا قابل برداشت اذیت میں ہے لیکن لوگوں کی زندگیوں کا نظارہ کرنے میں آزاد ہے۔مزے داری کا پہلو یہ ہے کہ گدھا بنے سے پہلے بحیثیت انسان کے بھی وہ گدھوں کی سی حرکتیں کرتا ہے۔ہر کوئی اسے بیوقوف بنا دیتا ہے۔اس کے اندر فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔وہ معاشرے کا کوئی متحرک کردار نہیں ہے۔اسے اپنوں اور بیگانوں کی تفریق نہیں ہے۔اب وہ اتفاقاً ایسے دائرے میں چلا گیا ہے جو ہمیشہ سے لوک ادب کے ہر ہیرو کا مقدر رہے۔یہاں اس کا سامنا ایسی اشیا اور حالات سے ہے جس کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہے۔زندگی کرنے کا وہ تجربہ جو پہلے اس کے کام آتا رہا ہے اب یہاں وہ بیکار ہے۔کچھ عرصہ تو اس کے لیے اس صورت حال قبول ہی نہیں کر پاتا لیکن اسے سمجھ آجاتی ہے کہ اب اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں ہے۔وہ جلد ہی یہ بات جان گیا ہے کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے درمیان ایک گدھے کے روپ میں ایک ہوش مند انسان کو لیے پھر رہے ہیں۔یہ بات اسے کچھ حوصلہ بھی دیتی ہے کہ کوئی اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔اب وہ اپنے مشاہدے کی حس کا مکمل استعمال کرتا ہے۔اسیری کے دنوں میں جہاں اس زدو کوب کیا جاتا ہے وہیں اسے کئی مزے کی کہانیاں بھی سننے اور دیکھنے کو ملتی ہیں۔ڈاکوؤں کے ٹھکانے پر ایک بڑھیا ہے۔اس بڑھیا کے نزدیک وہ معاشرے کی ناانصافیوں کا مارا ہوا طبقہ ہے جو لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے۔وہ کردار جس کا کبھی بھی علم وادب سے کوئی تعلق نہیں رہا اسے اس بڑھیا سے بے شمار دانش سے بھر پور کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ہوتا دراصل یہ ہے کہ ڈاکوں تاوان کے لیے ایک جواں سال دوشیزہ کو اغوا کر لاتے ہیں۔اس کی دلجوئی کے لیے بڑھیا اسے اساطیری کہانیاں سناتی رہتی ہے جو ’’گدھے‘‘ کے لیے بالکل نئی ہیں۔ان کہانیوں میں سب سے مزے کی کہانی اسے کیوپڈ اور سائیکی کی کہانی لگتی ہے۔بڑھیا دراصل اس لڑکی کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس کی اپنے شوہر سے جدائی کیوپڈ اور سائیکی کی جدائی کی طرح ہے جو عارضی ہے بہت جلد اس کا شوہر اسے ان ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑا لے جائے گا۔

ایسا ہی ہوتا ہے اس کا شوہر لوگوں کا ایک جتھا لے ڈاکوؤں پر حملہ آور ہوتا ہے اور یوں اس کی جان بخشی بھی ہو جاتی ہے۔ یہاں سے چھوٹنے کے بعد ناول کے اختتام تک کبھی خوشی کبھی غم والا معاملہ ہوتا ہے۔ کئی جگہوں سے مار پڑتی ہے تو کچھ لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک بھی کرتے۔ یہاں کئی اور دورن خانہ کہانیاں ہیں جو اس کے انتظار میں ہیں۔ ایسی عورتوں کی کہانیاں ہیں جو اپنے شوہروں کی غیر موجودگی میں معاشقے لڑاتی ہیں۔ پورے ناول میں عورتوں کا کردار فاعلی ہے جبکہ مردوں کا مفعولی ہے۔ یہ ایک بہت دلچسپ اور معنی خیز صورت حال ہے۔ اس تناظر میں ژونگ دبستان کی ماہر نفسیات ماری لوئی وان فرانز کا کہنا کہ اس ناول میں چونکہ مرد اپنی عورتوں کو جنسی حوالے سے مطمئن نہیں کر پاتے اس لیے وہ ان سے بے وفائی کا ارتکاب کرتی ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ فوتس جان بوجھ کر اسے گدھے میں تبدیل کرتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے پتہ نہ ہو کہ کس بوٹی کو کھانے سے آدمی گدھا بنتا ہے کسے کھانے سے پرندہ۔ وہ دراصل اسے گدھے میں تبدیل کر کے اپنی جنسی نا آسودگی کا بدلہ لیتی ہے۔ (۱۰)

خود ناول کا متن بھی آخر تک اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ وہ جس کسی کے ہتھے بھی چڑھتا ہے، جس گھر میں بھی اس کا ٹھکانا ہوتا ہے وہاں اسے ایسی ہی کہانیاں نظر آتی ہیں۔ عورتیں مکمل طور پر مردوں پر حاوی ہیں۔ ناول کے شروع میں سننے والی داستان بھی اک ایسی ہی عورت کی ہے، پھر جس گھر میں وہ ٹھہرتا ہے وہاں بھی عورتوں کا ہی راج ہے۔ پھر گدھا بننے کے بعد وہ جن گھروں میں بھی رہتا ہے وہاں مردوں کا کردار برائے نام ہی ہے۔ 'چکی والے گھر میں'، 'کونسلر کے گھر میں' اور باغبان کے گھر میں' جہاں بھی وہ رہتا ہے یہی صورت حال ہے۔ خود اسے دوبارہ انسانی جون میں واپس لانے والی بھی ایک دیوی ہی ہے۔ سو اس حوالے سے وان فرانز کی بات بہت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ناول دراصل ڈائنوں کی کہانی ہے جس میں مرد کردار اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

ناول کے اختتام پر جب اسے تھیاسس (Thyasus) نامی کردار کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے جو فطرتاً ایک اچھا انسان ہے، اس کے گھر میں یہ چوری چھپے انسانوں والے کھانے بھی کھا جاتا ہے۔ ایک روز جب یہ پکڑا جاتا ہے تو بجائے وہ غصہ کرنے کے اسے میز پر اچھے اچھے کھانے سجا کر کھلاتا ہے۔ یہ عمل وہ بہت سے اپنے دوستوں کو بھی دکھاتا ہے جو ایک گدھے کو انسانوں کی طرح کھاتا دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ اس کے اس عمل کا چرچا دور تک ہوتا ہے۔ گدھے کی اس انسانوں والی حرکات کو لوگوں کو دکھا دکھا کر وہ خوب پیسے کماتا ہے۔ تماشا دیکھنے والوں میں معزز خاتون بھی ہے مالک کو پیسے دے کر ایک رات کے لیے اسے اپنے گھر لے آتی ہے اور رات بھر اس سے یوں پیار محبت کرتی ہے جیسے وہ کوئی انسان ہو۔ وہ اس کا منہ چومتی ہے اس کے ساتھ اپنے بستر میں لیٹتی ہے۔ ظاہری بات ہے سب اس کے لیے مسحور کن ہے۔ وہ ایک اور رات کا کرایہ دے کر اس کے ساتھ رات گزارتی ہے۔ یہاں سے تھیاسس کے دماغ میں ایک خیال آتا

ہے کہ سالانہ تھیٹر کے مقابلوں کے دنوں میں کیوں نہ گدھے کے رومانس کا کوئی ڈرامہ عمل میں لایا جائے۔اس مقصد کے لیے وہ بہت کوشش کرتا ہے لیکن کوئی عورت اس بات پر راضی نہیں ہوتی۔بالآخر اسے ایک ایسی عورت مل جاتی ہے جسے پانچ قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت ہو چکی ہے۔جب گدھے کو اس بات کی خبر ہوتی ہے تو وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے اور وہاں سے بھاگ اٹھتا ہے۔

وہ شام تک بھاگتا رہتا ہے اور سمندر کنارے تھکاوٹ سے نڈھال ہو کر وہ گر پڑتا ہے اور اسی عالم میں سو جاتا ہے۔جب بیدار ہوتا ہے تو عظیم دیوی Isis سے گڑگڑا کر اپنے ٹھیک ہونے کی دعا کرتا ہے۔رات وہ دیوی اس کے خواب میں آکر اسے دلاسا دیتی ہے۔یہ گدھے میں تبدیل ہونے کے بعد دیکھنے والا پہلا اور آخری خواب ہے۔دیوی اسے کہتی ہے کہ کل صبح مجھ سے محبت کرنے والے لوگوں کا جلوس یہاں سے گزرے گا۔بڑے پادری کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا ایک ہار ہوگا۔تم قریب جا کر اس کے ہاتھ چومنے کے بہانے گلاب کا اک پھول کھا لینا ٹھیک ہو جاؤ گے۔وہ ہدایات پر عمل کرتا ہوا ان کے پیچھے چلتا ہے۔جونہی گدھا وہ پھول کھاتا ہے انسان بن جاتا ہے۔لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے جب یہ معجزہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ سکتے میں آجاتے ہیں۔ان لوگوں میں سے کسی کو اس نئے انسان کے ماضی کی خبر نہیں ان کے نزدیک یہ دیوی کا معجزہ ہے کہ ایک گدھا انسان بن گیا ہے۔بحیثیت انسان بھی وہ باتیں ہی سنتا ہے لیکن وہ ذہنی طور پر متحرک نہیں ہے۔بطور ایک گدھے کے بھی وہ مشکل میں ہے لیکن ہر دم اس کا ذہن کام کرتا ہے اور وہ اس کوشش میں لگا ہوا ہے کب اس کی اس مصیبت سے جان چھوٹے۔یوں وہ دوبارہ پہلے جیسا انسان بن چکا ہے۔

یہاں تک آتے آتے Lucius کو کئی سال ہو گئے ہیں۔گدھے کی شکل میں جن مسائل کا اسے سامنا ہے کسی ایک جگہ بھی وہ انسانوں کے غیر انسانی رویے کا گلہ کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔وہ جانتا ہے کہ ہر گدھے کا یہی مقدر ہے۔وہ تو صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ جسے وہ محض گدھا سمجھ کر برا سلوک کر رہے ہیں دراصل وہ انھی جیسا ایک شریف انسان ہے۔اس کے دل میں ہمیشہ انسان بننے کی خواہش رہتی ہے، جس کی وجہ سے دوبارہ اسے انسان بننا نصیب ہوتا ہے۔اگر وہ عارضی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتا تو زندگی کی حقیقت سے کبھی آشنا نہ ہوتا۔آئی چنگ کے زریں اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

> "In order to achieve a great goal,one has to set aside any superficial or personal gratification and then, so to speak,disappear from the scene."(11)

یہی وہ کردار ہے جو منظر نامے سے غائب ہو جاتا ہے گو غائب ہونے میں اس کی اپنی رضا شامل

نہیں ہے۔انسانی زندگی میں بعض اوقات کوئی ایسا حادثہ رونما ہوتا ہے جو انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔خود ہمارے ہیرو کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہی ہوتا ہے۔ یہاں گدھے کے روپ میں تبدیل تو وہ خود نہیں ہوا لیکن زندگی کا مشاہدہ کرنے میں اب وہ آزاد ہے۔لوگوں کی نگاہوں سے وہ بحیثیت ایک انسان کے اوجھل ہو چکا ہے لیکن ایک ''تیسری آنکھ'' کی حیثیت سے وہ سب کے درمیان رہ کر سب دیکھ رہا ہے۔یہ تیسری آنکھ دراصل لاشعور کی آنکھ ہے جو دنیاوی شعور کو موقوف کرنے سے ہی بیدار ہوسکتی تھی۔یہ بے ضرر اور لاموجود کردار بظاہر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے لیکن ہر جگہ پوری طرح موجود ہوتا ہے۔اس ''تیسری آنکھ'' کا ادراک صرف اسی کو ہوسکتا ہے جو اس عمل کا خود سامنا کرے۔کایا کلپ کے عمل نے اس کے ان حسیات کو بیدار کر دیا ہے جن کا شعور بحیثیت ایک انسان کے وہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ناول کے بیانیے میں مشکل حالات کے باوجود وہ بات کا اظہار بھی کرتا ہے کہ اگر وہ گدھا نہ بن گیا ہوتا تو زندگی کے بہت بڑے تجربے سے محروم ہو جاتا۔

میخائل باختن نے اس ناول کا بہت شاندار تجزیہ کیا ہے۔اس نے اپولیس کی کایا کلپ کا موازنہ یونانی کایا کلپ کی مثالوں سے کیا ہے۔یونانی کردار کی کایا کلپ انفرادی سطح پر ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی غلطی،عذاب،طہارت اور انعام گم ہی رہتا ہے۔یوں کایا کلپ کا خارجی زندگی سے کوئی تعلق نہیں بن پاتا۔یونانی کایا کلپ ان معنوں میں ذاتی اور ناپختہ ہوتی ہے۔وہاں دیوی دیوتا جن کرداروں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں ان کا ٹھوس معاشرتی زندگی سے رابطہ نہیں بن پاتا یہی وجہ ہے کہ ان مثالوں کی حیثیت تجریدی ہی رہتی ہے۔یہاں غلطی کی سزا تو ہے لیکن کفارے کی کوئی صورت نہیں۔بعض اوقات تو کرداروں کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کی شکل کے بگڑنے کی آخر وجہ کیا ہے۔خود اووڈ کی ''کایا کلپ'' میں یہی صورت حال ہے۔دیوی دیوتا عامیوں کو کبھی کسی جرم کی سزا کے بدلے میں کسی بھی جانور میں تبدیل کر رہے ہیں۔حد تو یہ ہے کہ انھیں دوباہ انسانی جون نصیب ہی ہوتی ہیں اور وہ اسی روپ میں بعض اوقات تو بے خبری میں اپنے ہی ہم جنسوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔

ان کے مقابلے میں اپولیس سے ایک بڑی غلطی ہو جاتی ہے جس کی اسے سزا (گدھے کی شکل میں کایا کلپ) ملتی ہے۔اس کایا کلپ کسی سزا کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اس میں دیوی دیوتاؤں کی کوئی مداخلت ہے۔یہاں سزا کا آغاز ہی تبدیلی ہیت رونما ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ایک تو مرضی کے خلاف گدھا بننا پھر اسی شکل میں مسلسل تکلیف کے عالم میں وہ غلطی کا کفارہ ادا کرتا ہے۔جسمانی طور پر تو وہ ایک عذاب ہی سے گزر رہا ہے۔گدھا بننے کے باوجود جب اسے ایک غیر انسانی کام کے لیے تیار کیا جاتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے۔یہی وہ

مقام ہے جہاں وہ سرخرو ہوتا ہے۔ اگر وہ گدھے کی جون کو تبدیل کر لیتا تو واپسی کبھی بھی ممکن نہ ہوتی۔ یہاں وہ گدھے کی کھال میں ہونے کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس مجرم عورت سے مباشرت کر سکتا تھا لیکن اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے فطرت کی دیوی اسے دوبارہ انسانی روپ انعام کے طور پر عطا کر دیتی ہے۔ یوں ایک غلطی سے شروع ہونے والے سفر کا بہترین انجام ہو جاتا ہے۔ بقول باختن:

> "The hero experiences events that are exhaustively extraordinary,defined by sequence of guilt --retribution--redemption--blessedness.Such was the experience of Lucius.But in passing from retribution to redemption--that is,precisely during the process of metamorphosis--Lucius must descend to low everday life,and he must play the most humiliating role in that setting,not even the role of slave,but of an ass".(12)

انسانی ہیئت کی اہمیت کا اندازہ اسے دوبارہ انسان بننے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اب وہ پہلے جیسا نہیں رہا وہ ایک بدلا ہو شخص ہے۔ اس نے انسان کے ایسے ایسے روپ دیکھے ہیں جنھوں نے اس کے لاشعور کی بھی کایا کلپ کر دی ہے۔ وہ جاں گسل روحانی تجربات سے گزر کر ایک سینٹ کے درجے پر فائز ہو چکا ہے۔ ناول کے آغاز میں، اس کے گدھا بننے سے پہلے صرف ساحری کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کسی ایک انسان کے منہ سے کوئی اچھائی کی بات سننے کو نہیں ملتی۔ ایک افراتفری کا سا عالم ہے۔ کوئی کردار کسی عبادت یا مذہب یا کسی دیوی یا دیوتا کا ذکر تک نہیں کرتا۔ ایسے لگتا ہے جیسے ہم کسی غیر مذہبی معاشرے میں آن پہنچے ہوں۔ گدھا بننے کے بعد اس کا زندگی سے رابطہ وقتی طور پر معطل تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن وہ ایک اور State of Mind میں چلا جاتا ہے۔ ناول کی تقسیم کچھ یوں ہے جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے زندگی سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہوتا ہے (گدھا بننے سے پہلے کی زندگی)۔ مر جاتا ہے (گدھا بن جاتا ہے دوسری ہیئت میں تبدیلی)۔ پھر موت کے بعد والی زندگی ہے، جہاں انعام ہی انعام ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ موت کے بعد والی زندگی یادداشت سے خالی زندگی ہو گی۔ وہاں حیات فانی کی کوئی بات انسان کو یاد نہیں رہے گی۔ ہمارا ہیرو جب انسانی شکل میں واپس آتا ہے تو ناول کا بیانیہ بھی بدل جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم جہنم سے جنت میں پہنچ گئے ہوں۔ دیویاں ہیں دیوتا ہیں۔ نیک اور اچھے لوگ ہیں۔ کوئی افراتفری نہیں ہے۔ دنیا داری کی کوئی بات نہیں ہے۔ یوں اپولیس کو ایک ہی زندگی میں تمام عوالم کا تجربہ ہو جاتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جب ہیرو پر زندگی کی ساری گر ہیں کھل چکی ہیں۔ اس کے دل میں دنیاداری کی کوئی خواہش باقی نہیں رہی۔ گدھا بننے سے پہلے کی زندگی کا اس کے نزدیک اب کوئی وجود نہیں۔ بحیثیت ایک گدھے کے اس کے دماغ میں ایک لمحہ کو بھی اپنی سابقہ زندگی کا خیال نہیں آیا۔ ظاہری بات ہے ایسا ناول نگار نے خود کیا تا کہ وہ حال کو بھر پور طریقے سے جھیل سکے۔ یادداشت کا تعلق انسانی وجود کے ساتھ ہے۔ اب جبکہ اس کی وہ ہیئت ہی نہیں رہی تو یادداشت بھی اس کے ذہن سے محو ہو گئی ہے۔ یادیں صرف اسی وقت آپ پر حملہ آور ہوتی ہیں جب آپ کم از کم جسمانی طور پر ٹھیک ہوں۔ اگر آپ کسی جان لیوا بیماری میں مبتلا ہوں، ناقابل بیان تکلیف کے عالم میں ہوں تو آپ کا ماضی اس وقت تک موقوف ہو جاتا ہے جب تک آپ ٹھیک حالت میں واپس نہ آ جائیں۔ اس کا حال (Present) وجودی سطح پر اتنا تکلیف دہ ہے کہ وہ صرف اس حالت سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ اب اسے صرف اپنے مستقبل کی فکر ہے وہ اسی ہیئت میں نہیں مرنا چاہتا۔ گویا اس نے دوبارہ جنم لیا ہو۔ وہ ویسے ہی پاکیزہ اور معصوم ہے جیسے ہر پیدا ہونے والا بچہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی خواہش کے عین مطابق پرندہ بن جاتا یا گدھا بن کر صحیح انسانی حالت میں واپس آ جاتا تو کچھ بھی حاصل نہ کر پاتا۔ پرندہ بن کر بلندی سے انسانی زندگی کی ٹوہ لینے کی بھونڈی خواہش نے اسے گدھا بنا دیا تا کہ وہ زندگی پر متکبرانہ نگاہ ڈالنے کی بجائے اسے جھیلے۔ اگر اس ناول کی مابعدالطبیعیاتی توجیہہ کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی اوقات فطرت کے نزدیک ایک گدھے سے زیادہ نہیں ہے جس کی نکیل کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کچھ اور بننے کی خواہش میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن فطرت اسے کچھ اور بنا دیتی ہے۔

اس مختصر مضمون میں ہم نے اس شاہکار ناول کے تعارف کے ساتھ اس کے چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ یہ ایک ایسا کثیرالجہتی ناول ہے جس کی ہر قرأت ہمارے دماغ کو نئے نئے مفاہیم سے منور کر سکتی ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

1. Satyricon, Petronius, Wordsworth classic of world literature, 1999, p:ix
2. S.J.Hossison, Apuleius: Alatin Sophist, Oxford University Press, 2000, p:9-10
3. Apuleius, The Golden Ass,New York,Oxford University Press,1999,p.i
4. Ibid,p.xii
5. Apuleius, The Golden Ass, London: Penguin Books, 1954, p. 9
6. Ibid, p. 3
7. Ibid, p. 34
8. Keith Bradely,Slavery And Society At Rome,New York:Cambridge University Press,1994,p.57
9. Marie Louise Von Franz،The Golden Ass of Apulieus' The Liberation of Faminine in man', Boston & London: Shambhala,1992, p.36
10. Ibid,p.46
11. Marie Louise Von Franz,Archetypal Pattern in Fairytales, Toronto, Canada: Inner City Book,1997,p.35
12. .M.M Bakhtin,The Dialogic Imagination,Austin:University of Taxas Press,1996,p.11